عصر حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ضرورت واہمیت تعلیمات اسلام کی روشنی میں

محمد عبدالعلی اچکزئی*

ABSTRACT:

Muslim world is facing many challenges regarding its economy, politics and culture these days. Rapid progress in science and technology is indispensable to face the challenges. Neither defense nor the industrial development of a country is possible in the absence of scientific knowledge and technical skills,. Similarly, agriculture department also demands advance and latest equipments and techniques for massive growth. In fact, advancement and development is associated with science and technology in contemprary world.

Islam is not a religion that concerns the spritual matters of its followers only but it is a complete code of life that does not only want his followers to be successful hereafter but also in this world. Islam neither impose any ban on acquiring knowlewdge nor it is against technology. Acquiring knowledge and technology for the weel being of mankind is in accordance with the teachings of Islam In this way, the guidelines of Islam different from other religions, as far as knowledge and scientific technology is concern. This article highlights the need and importance of science and technology for the Muslim world in modern era.

انگریزی لفظ سائنس (Science) لاطینی زبان کے لفظ (Scientia) سے ماخوذ ہے، جو علم ودانش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، عربی زبان میں اس کے لیے "العلم" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اصطلاح میں سائنس کے معنی محدود کرکے نظام فطرت کے ایسے علم کے ساتھ خاص کردیا گیا جو مشاہدہ وتجربہ اور غور وفکر سے حاصل ہو، انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار رقمطراز ہیں:

"سائنس ایسے نتیجہ کی تحقیق کا نام ہے جس سے عالمگیر اتفاق رائے حاصل کیا جاسکے۔"(۱)

ٹیکنالوجی کا مطلب تدبیر (Technique) ہے اور اس سے مراد کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ذرائع کو استعمال کرنے کا طریقہ ہے(۲)۔ گویا سائنس اور ٹیکنالوجی کا مطلب ہوا علم اور مہارت۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے

* ڈاکٹر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ بلوچستان، کوئٹہ برقی پتا: abdulali.uob@gmail.com

تاریخ موصولہ: ۲۲/اپریل ۲۰۱۴ء

کہ رب کائنات کی طرف سے انسان کو سب سے پہلا علم **علم الاسماء** (اشیا عالم کا علم) دیا گیا ہے، اس علم سے انسان کو اس لیے سرفراز کیا تا کہ انسان کائنات اور اشیا کے خواص (مجموعی طور پر جس کا نام سائنس ہے) سے بخوبی آگاہ ہو کر ان سے فائدہ اٹھائے اور کائنات میں غور وفکر کر کے رب کائنات کا صحیح تعارف حاصل کرے اور تسخیر کائنات کا فریضہ انجام دے اور دنیا سے ظلم وعدوان اور فتنہ وفساد کا خاتمہ کر کے عدل وانصاف قائم کرے، تا کہ اللہ تعالیٰ کی سرزمین امن وآشتی کا گہوارہ بن سکے۔

علم اشیا عالم اور خلافت ارض کا بڑا گہرا تعلق ہے، اسی وجہ سے قرآن عظیم میں خلافت اور تعلیم اشیا کا بیان ساتھ ساتھ آیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

''اور اس نے آدم کو اسماء کا علم دے دیا (یا تمام نام بتا دیے)۔''(۳)

علم الاسماء دراصل وہی چیز ہے جسے جدید اصطلاح میں سائنس کا نام دیا گیا ہے، کیونکہ سائنس تمام موجودات عالم اور ان کے آثار وخواص اور ان کی حقیقت سے بحث کرتی ہے، اسی طرح مفسرین کی تصریحات کے مطابق علم الاسماء تمام موجودات عالم اور تمام مظاہر فطرت کے نام اور ان کے آثار وخواص کا علم ہے، چنانچہ علامہ شہاب الدین آلوسی اپنی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''اور میرے نزدیک حق بات وہی ہے جس پر اہل اللہ قائم ہیں اور وہی چیز ہے جو منصب خلافت کی متقاضی ہے اور وہ تمام چیزوں کے نام خواہ وہ علوی ہوں یا سفلی، جوہری ہوں یا عرضی اور انہی چیزوں کو دیگر اقوال کے مطابق اسماء اللہ بھی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں اس (کے وجود وصفات) پر دلالت کر رہی ہیں اور یہ اسماء وصفات ان میں ظاہر ہو رہے ہیں، مگر انہی میں مقید نہیں ہیں، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اسماء الٰہی بے پایاں ہیں۔''(۴)

بعض مفسرین نے تمام علوم وفنون کو بھی اس لفظ کے عموم میں داخل کر دیا ہے، مثلاً قاضی عبداللہ بن عمر البیضاوی لکھتے ہیں:

''آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چیزوں کی ہستیاں، ان کے خواص، ان کے نام، علوم کے اصول، صنعتوں کے قوانین اور صنعتوں میں استعمال ہونے والے آلات کی کیفیات (غرض سب کچھ) الہام کر دیا۔''(۵)

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلا جو علم دیا گیا ہے وہ علم اشیا ہے، یعنی تمام موجودات عالم اور ان کی خصوصیات وامتیازات کا علم، اس کو ہم مختصراً ''علم الاسماء'' یا ''علم مظاہر کائنات'' کہہ سکتے ہیں، موجود دور میں سائنس جن چیزوں سے بحث کرتی ہے وہ یہی موجودات عالم ہیں اور جو باتیں بیان کرتی ہے، وہ یہی اشیا کے آثار وخواص ہیں، اسی طرح ٹیکنالوجی کو ہم علم تسخیر بھی کہہ سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی سائنسی خدمات

اگر ہم تاریخ اسلام کا جائزہ لیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جدید سائنس کی اصل بنیادیں مسلمانوں نے فراہم کیں، آٹھویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی کے دوران مسلم تہذیب نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں بے مثال ترقی کی اور مشاہداتی وتجرباتی طریقہ تحقیق وجستجو علم کی بنیاد رکھی، مسلمانوں نے مختلف اقوام وملل کے ذخیرہ علم کو عربی میں منتقل کیا، اس کے علاوہ ان کی اپنی تگ ودو سے جو سائنسی حقائق ومعارف حاصل ہوئے، ان کو بھی کتابی صورت میں پیش کیا، یہ وہ دور ہے جب یورپ اپنی تاریخ کے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا، یورپ کی نشاۃ ثانیہ مسلمانوں کے تہذیبی ورثہ کی بدولت ہی ممکن ہوسکی۔

انسانی تہذیبوں کے اسلامی عہد میں سائنسی علوم وفنون کی راہوں پر جو دیوقامت شخصیتیں جلوہ گر ہوئیں، ان کی عظمتوں کے مقام کی صحیح نشاندہی مزید تحقیق وتفتیش کی محتاج ہے، بہرحال اس حوالے سے کتنے ہی نام ذہن میں ابھرتے ہیں، جابر بن حیان، ابن الہیثم، الخوارزمی، الرازی، بوعلی سینا، البیرونی، الکندی اور عمر خیام اور کن کن کے نام گنوائے جائیں، اس مختصر سے مقالے میں ان کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لینا ممکن نہیں۔

اسلامی دور کے کارہائے نمایاں ہمارے واسطے اس صورت میں مشعل راہ ثابت ہوسکتے ہیں کہ ہم میں خوداعتمادی کا جذبہ پیدا کریں اور محض قدامت پرستی کا جواز ہوکر نہ رہ جائیں، ہمارے حوصلے بلند کریں، لیکن ہم کو ''پدرم سلطان بود'' کے طعنے کا ہدف نہ بناڈالیں، اس ضمن میں یہ بھی قابل غور ہے کہ سائنس کی کوئی متعین منزل نہیں، جو مقام کل آنکھوں سے اوجھل تھا وہ آج اس کی منزل ہے اور کل ایک نئے سفر کا نقطۂ آغاز ہوگا۔

اسلام اور سائنس وٹیکنالوجی کی اہمیت وضرورت

اسلام دین کامل ہے، جو انسانوں کی ہمہ گیر فلاح و بہبود کا علمبردار ہے، ایک طرف وہ چاہتا ہے کہ ہماری اُخروی زندگی خوشیوں سے بھرجائے، تو دوسری طرف وہ دنیا کی زندگی کی بہتری، فلاح اور ترقی کا بھی خواہاں ہے، جیسا کہ اس قرآنی دعا سے ظاہر ہے:

''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب سے نجات دے۔''(۶)

عصر حاضر میں عالم اسلام کو تمدنی، معاشی، سیاسی اور فوجی محاذوں پر مختلف چیلنج درپیش ہیں، ان چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں تیز رفتار ترقی انتہائی ناگزیر ہے، کیونکہ سائنسی ترقی کے بغیر نہ تو اپنا دفاع کیا جاسکتا ہے، نہ معدنی وسائل نکالے جاسکتے ہیں۔ نہ صنعتوں کا جال پھیلایا جاسکتا ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، نہ زراعت کو جدید خطوط پر استوار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ذرائع نقل وحمل

اور مواصلات کو ترقی دی جاسکتی ہے۔اس وقت ملت اسلامیہ کو خصوصاً جن شعبوں میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کی ضرورت درپیش ہے، ان میں بعض اہم شعبے درج ذیل ہیں:

(ا) فنون حرب

ایک وقت وہ تھا جب پوری اسلامی دنیامیں امن وامان تھا، زراعت اور صنعت وتجارت ترقی پر تھی، علوم وفنون میں مسلمان ترقی کررہے تھے، سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ایجادات کررہے تھے، خاص کر آٹھویں صدی ہجری میں جب عثمانی ترک منظر عام پر آئے تو انہوں نے قابلیت، قوت اور فنون جنگ میں اپنی مہارت کالوہا منوایا۔لیکن بدقسمتی سے عین ترقی وعروج کے زمانہ میں ان کے تنزل وانحطاط کادور شروع ہوا اور انجام کار وہ اپنے ترقی پذیر مخالفوں اور حریفوں سے مار کھاگئے۔

ترکوں کے زوال اور شکست کے اسباب بیان کرتے ہوئے ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''سب سے بڑا مرض جو ترکوں میں پیدا ہوا تھا وہ جمود تھا اور جمود بھی دونوں طرح کا، علم وتعلیم میں بھی جمود اور فنون جنگ اور عسکری تنظیم وترقی میں بھی، قرآن مجید کی یہ آیت انہوں نے بالکل فراموش کردی ''تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی، کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو اور ان کے سوا اوروں کو بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔'' (۷) اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ان کے حافظہ سے گویا محو ہو گیا تھا ''دانائی کی بات مؤمن کا گمشدہ مال ہے جہاں اس کو مل جاوے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔'' (۸) ایسی حالت میں کہ وہ یورپ کی حریف سلطنتوں اور قوموں کے درمیان گھرے ہوئے تھے، ان کو فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص ؓ کی وہ وصیت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے تھی جو انہوں نے مصر کے مسلمانوں کو کی تھی: ''اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو اور ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہوئے ہو، اس لیے تمہیں ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہیے، کیونکہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور ان کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں'' لیکن افسوس کہ ترک مطمئن ہو کر بیٹھ گئے، وہ اپنی جگہ پر رہے اور یورپین قومیں کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔'' (۹)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''پھر مسلمانوں کا تنزل صرف حکمت وعلوم نظریہ اور صنعت وحرفت ہی میں نہ تھا، بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عمومی انحطاط تھا، جو مسلمانوں پر پورے طور پر محیط تھا، حتی کہ وہ اپنے فنون جنگ میں بھی یورپ سے پیچھے رہ گئے، جن میں ترکوں کو درجہ امامت واجتہاد حاصل تھا اور ان میں ان کی فوقیت کا دنیا کو اعتراف تھا، لیکن یورپ اپنی ایجاد واجتہاد اور تنظیم کی بدولت فنون حربیہ میں بھی ترکوں سے بہت بڑھ گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوجوں نے

۱۷۷۴ء میں عثمانی فوجوں کو شرمناک شکست دی اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ ترک جنگی طاقت میں یورپ کی عیسائی قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔" (۱۰)

ہمارے بزرگوں نے اسلام کے غلبہ کے لیے جو تحریکیں چلائی تھیں، چاہے وہ محمد بن علی السنوسی تحریک ہو، سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین ہو یا عصر حاضر کی طالبان تحریک، ان تحریکوں کی ناکامی اور شکست کا اہم اور بنیادی سبب یہی تھا کہ ان کے پاس وہ آلات حرب وضرب موجود نہیں تھے، جو ان کے مخالفین کے زیر استعمال تھے، حالانکہ فنون جنگ کے بارے میں نئے نئے طریقوں اور آلات حرب کا استعمال خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے غزوہ طائف کے موقع پر آپؐ نے دو نئے آلات حرب استعمال فرمائے، جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے، ان میں سے ایک منجنیق تھی، جسے اس زمانے کی توپ کہنا چاہیے اور دو دبابے تھے، جنہیں اس دور کے ٹینک کہا جاسکتا ہے (۱۱)۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی بے بسی کی ایک بڑی وجہ ان کی قیادتوں کا دفاعی تیاریوں سے غافل ہونا ہے، مسلمان قیادتوں نے عالم کفر کے عزائم کا صحیح ادراک نہیں کیا، آج دنیا کے غیر مسلم ممالک بالخصوص امریکہ اور یورپ نے اپنے اپنے جوہری پروگراموں کی تخلیق، تعمیر اور ترویج کو نہ صرف جائز رکھا ہوا ہے، بلکہ ان گنت نوع کے جہنمی اسلحے اور وسیع تر تباہی کے ہتھیار بنائے ہیں (۱۲) اور انہیں اہل مشرق بالخصوص مسلمانوں پر آزما بھی رہے ہیں اور انہی زبردست تباہی کے ہتھیاروں کے طفیل انہوں نے دنیا پر اپنی چودھراہٹ قائم کر رکھی ہے، لیکن مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لیے کسی بھی قسم کے روایتی اور جدید ہتھیار کے بنانے یا انہیں حاصل کرنے کا حق نہیں دیتے۔ کفر کی طاقتوں کے اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی جان ومال، عزت وآبرو اور گھربار اور وطن ومملکت کے دفاع کے لیے تیاری کریں اور اس غرض سے جنگی ساز وسامان کے بنانے اور انہیں تیار رکھنے سے غفلت کا مظاہرہ نہ کریں، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی، کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو اور ان کے سوا اوروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جان رہا ہے۔" (۱۳)

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں:

"یہ آیت جہاد کے لیے تیاری، اسلحہ، تیروں اور شہسواروں کی تعلیم کی تربیت پر دلالت کرتی ہے، لیکن یہ کہ یہ فرض کفایہ میں سے ہیں۔" (۱۴)

شیخ احمد ملا جیون فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسلحہ اور گھوڑوں کی تیاری کا حکم بلیغ اور مؤکد انداز میں موجود ہے، آیت کے اندر ان سب کی دلیل ہے۔" (۱۵)

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں، نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا۔آج بندوق،توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروز وغیرہ کا تیار کرنا اوراستعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب وضرب تیار ہوں، وہ سب آیت کے منشا میں داخل ہیں۔'' (۱۶)

مولانا محمد ادریس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اوران کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا، اس لیے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لیے ہر مکان وزمان کے مناسب قوت وطاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے، جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کیے ہیں، ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا،تا کہ کفر وشرک کا مقابلہ کرسکیں۔'' (۱۷)

محمد شہاب الدین ندوی لکھتے ہیں:

''اس آیت کریمہ کا منشا ہے کہ ''فتنوں'' کو کچلنے اور باطل سے نبرد آزمائی کے لیے بہتر سے بہتر ہتھیاروں کی تیاری ہے، آج تیر کمان، تلوار اور نیزے کا دور نہیں رہا، بلکہ بندوق، مشین گن اور ٹینکوں کا دور بھی بہت بڑی حد تک ختم ہوگیا ہے، اب راکٹ، میزائل، جوہری بم، ہائیڈروجن بم، نیوٹران بم، جراثیمی بم اور خلائی سیّاروں کا دور ہے، اب انسان خلا میں بیٹھ کر جنگ کرنے اوراجرام سماوی میں فوجی چھاؤنیاں قائم کرنے کی فکر میں ہے،تا کہ وہ اپنا دفاع مضبوط کر کے ایک ہی وار میں اپنے دشمنوں کا صفایا کرسکے۔لہٰذا، اقوام عالم کو قابو میں رکھنے کے لیے جدید سے جدید تر ہتھیاروں سے لیس ہونا ضروری ہے،اس کے بغیر تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور یہ مقصد ''بھیک'' کے چند ہتھیاروں کو جمع کر لینے سے حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے بذات خود محنت اور جد وجہد کرنے اور خود کفیل بننے کی ضرورت ہے۔'' (۱۸)

قرآنی آیت کے علاوہ احادیث سے بھی اعداد آلات حرب وضرب کی تاکید وترغیب ملتی ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''اور تیاری کرو کافروں کے ساتھ جنگ کے واسطے، وہ چیزیں جن سے تم قوت حاصل کرسکو،خبردار بیشک قوت تیر اندازی ہے،خبردار بیشک قوت تیر اندازی ہے،خبردار بیشک قوت تیر اندازی ہے۔'' (۱۹)

یعنی دشمن سے پنجہ آزمائی کے لیے جس تیاری کی ضرورت ہے، تیر اندازی اس کا ایک بڑا حصہ ہے، آپؐ نے اس سے تیر اندازی کے سوا دوسری تیاریوں کو طاقت اور قوت کا حصہ قرار دینے کی نفی نہیں کی، بلکہ لفظ کا عموم ان تمام آلات جنگ اور ہتھیاروں کو شامل ہے، جن سے دشمن کے مقابلے میں کام لیا جاسکتا ہے (۲۰)۔

دوسری روایت میں ارشاد ہے:

''اللہ ایک تیر پر تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے، اس کا بنانے والا، جس کے بنانے سے اس کی نیت خیر کی ہو، اس کا پھینکنے والا، تیسرا دینے والا تیر انداز کے ہاتھ میں۔'' (۲۱)

اس حدیث سے بھی ہر قسم کا اسلحہ برائے جہاد بنانے، بنانے میں مدد دینے اور استعمال کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح حربی اور فوجی میدان میں ترقی کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے حصول کے حوالے سے ثروت صولت لکھتے ہیں:

''ترقی کے لیے اگر چہ یہ ضروری ہے کہ لوگ ایماندار اور محنتی ہوں اور بری باتوں سے بچتے ہوں، لیکن اس کے باوجود ترقی کے لیے اور بھی چیزیں ضروری ہیں، دنیاوی ترقی کے لیے وہ ہتھیار اور اوزار بھی ہونے چاہئیں جو دنیا والے استعمال کرتے ہیں، بندوق کے مقابلے کے لیے بندوق اور توپ کے مقابلے کے لیے توپ ہونا ضروری ہے، بھاپ سے چلنے والے تیز رفتار بحری جہاز ہونے چاہئیں، بادبان سے چلنے والے جہاز ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہمارے دشمن کے پاس فوجوں کو لے جانے کے لیے ٹرینیں اور موٹریں ہیں، تو ہمارے پاس بھی ٹرینیں اور موٹریں ہونی چاہئیں، یہ تو نہیں ہوسکتا کہ دشمن ٹرین کے ذریعے فوج بھیجے اور ہم گھوڑوں پر جائیں، اگر ایسا ہوگا تو دشمن مورچہ پر پہنچ کر قبضہ کر لے گا اور ہم پہنچ بھی نہیں سکیں گے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے پاس سائنسدان اور انجینئر ہوں اور ہمارے مدرسوں میں سائنس اور انجینئرنگ وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہو اور طب بھی پڑھائی جاتی ہو۔'' (۲۲)

(۲) تسخیر اشیا اور باطنی وظاہری نعمتیں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو علم الاسماء (سائنس) دیے جانے کا بنیادی مقصد مظاہر کائنات سے تعارف حاصل کر کے ان میں ودیعت شدہ فوائد سے مستفید ہونا اور خلافت ارضی کے میدان کو سر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مظاہر وموجودات میں انسان کے لیے بے شمار فوائد اور عجیب وغریب نعمتیں ودیعت کردی ہیں جو اس کی ربوبیت ورحمانیت کا حیرت انگیز مظہر ہے۔ قرآن حکیم میں صاف صاف فرمادیا گیا ہے:

''کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں مسخر کر دیں اور تم پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔'' (۲۳)

مفسرین کے مطابق ظاہری نعمتوں سے وہ تکوینی نعمتیں مراد ہیں، جن کا ادراک حواس سے ہو سکے اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ تکوینی نعمتیں ہیں جن کا ادراک عقل سے ہو سکے (۲۴)۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

''ظاہری سے مراد وہ نعمت ہے جو مشاہدے میں آسکے اور باطنی سے مراد وہ نعمت ہے جو کسی دلیل سے معلوم

ہو سکے، یا بالکل ہی معلوم نہ ہو سکے، اس لحاظ سے انسان کے بدن میں کتنی ہی ایسی (پوشیدہ) نعمتیں ہیں جن کو انسان نہیں جانتا اور ان کی طرف راہ یاب نہیں ہوتا۔" (۲۵)

شہاب الدین ندوی لکھتے ہیں:

"ظاہری و باطنی نعمتوں کا یہ محض ایک جزوی پہلو ہے جو اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے، مگر کلی اعتبار سے میرے نزدیک اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نوازشات الٰہیہ ہے جو آفرینش آدم سے لے کر حاضر تک برابر معلوم و متعارف چلی آرہی ہیں، یعنی وہ لوازم حیات جن کے استعمال سے ہر دور کا انسان بخوبی واقف رہا ہے اور باطنی نعمتوں کی فہرست میں یوں تو وہ تمام مخفی فوائد آسکتے ہیں جن کا ذکر مفسرین نے کیا ہے، مگر وہ انسانی جسم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ان کا اطلاق دنیا کی تمام چیزوں اور تمام اجسام میں پوشیدہ فوائد پر ہو سکتا ہے، اس لحاظ سے باطنی نعمتوں سے مراد مادہ (Matter) اور توانائی (Energy) کے وہ سارے پوشیدہ اسرار و حقائق اور ان میں ودیعت شدہ فوائد ہیں، جو علوم سائنس کی ترقی کی بدولت منکشف ہو سکے ہیں، جنہیں مسخر کر کے انسان بخوبی فائدہ اٹھا رہا ہے، مثلاً برق، بھاپ، جوہری توانائی، جوہری آئی سوٹوپ اور بے شمار قسم کے کیمیائی مرکبات (Chemical Compounds) جو مصنوعی غذاؤں، ادویہ، کھاد اور دیگر بے شمار مصنوعات کی تیاری سے متعلق ہیں اور اسی طرح مختلف قسم کے ترشے (Acids) وغیرہ، جن کا استعمال جدید صنعتوں میں بہت عام اور بہت اہم ہے۔

گویا یہ تمام نعمتیں روز ازل ہی سے کائنات میں موجود تھیں، جن سے انسان اسماء کی ترقی اور علم تسخیر کی قوت کی بدولت صحیح فائدہ اب اٹھا رہا ہے (۲۶)۔

آج روئے زمین پر پچاس سے زیادہ مسلم ممالک پائے جاتے ہیں، جو قدرتی وسائل اور زرعی پیداوار سے مالا مال ہیں، لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیچھے ہو جانے کے باعث وہ ان سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے، لہٰذا اس قدرتی دولت کو مغربی ممالک محض اپنی تکنیکی معلومات کے بل بوتے پر جی بھر کر لوٹ رہے ہیں، گویا وہ ان کی آبائی میراث ہو۔ اس سلسلے میں مغرب کا ایک کھیل یہ بھی ہے کہ وہ ہماری خام پیداوار دونوں ہاتھوں سے بٹورنے کے باوجود ہمیں "پیسہ" دینے کے بجائے صرف "ہتھیار" دیتا ہے، تا کہ ہم آپس ہی میں لڑتے رہیں، اگر پیسہ دیتا بھی ہے تو اسے اپنے ہی بنکوں میں جمع کرا لیتا ہے، تا کہ ہم اس پیسہ کا صحیح طور پر استعمال بھی نہ کر سکیں۔

اسلامی دنیا میں جہاں جہاں قیمتی معدنی وسائل موجود ہیں، وہ یا تو یوں ہی دفن ہیں اور ان سے مناسب ٹیکنالوجی اور مہارت نہ ہونے کی وجہ سے استفادہ نہیں کیا جا رہا یا اگر نکالے جا رہے ہیں تو ان سے خاطر خواہ آمدنی حاصل نہیں ہو رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خام مال کو تیار اشیا میں تبدیل کرنے کے لیے صنعتیں موجود نہیں ہیں، مثلاً تیل اکثر عرب ممالک میں

ایک اہم معدنی دولت ہے، لیکن اس معدنی دولت سے غیر ممالک استفادہ کر کے اپنی معیشتوں کو ترقی دے رہے ہیں۔ عربوں سے تیل خام شکل میں حاصل کر کے ایک طرف اگر توانائی کی ضروریات پوری کی جارہی ہیں تو دوسری طرف موم، مصنوعی ربڑ، وارنش، الکحل، پلاسٹک، مصنوعی ریشے، خوشبویات، دھماکہ خیز مواد وغیرہ اشیا تیار کی جارہی ہیں، تیل کی اسی اہمیت کی وجہ سے آج عالم اسلام کے قلب میں استعماری ممالک کی فوجیں بیٹھی ہوئی ہیں۔ستر کی دہائی میں جس طرح Oil Embargo نے استعماری ممالک کے ایوانوں کو ہلا دیا تھا، آج بھی اگر ان ممالک کو تیل کی فراہمی رک جائے، تو ان کی معیشتیں ٹھپ ہو جائیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی دنیا اپنے خام مال کو اپنے اپنے ممالک ہی میں استعمال کر کے تیار اشیا کو بیچنے کے لیے ٹیکنالوجی اور ضروری صنعتوں کے قیام کو یقینی بنائے، اس طرح نہ صرف روزگار کے بے پناہ مواقع پیدا ہونگے، بلکہ آمدنی زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ نئے عالمی تجارتی نظام میں اپنے وجود کو برقرار رکھنا بھی ممکن ہوگا۔‘‘(۲۷)

(۳) شعبہ تعلیم

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اور معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا جب تک اس میں تعلیم عام نہ ہو، تعلیم سے مراد ہے شیوع علم اور اس میں ہر قسم کی تعلیم شامل ہے، دینی اور دنیوی، بنیادی اور اعلیٰ، نظری اور عملی خواہ وہ تجربہ و تحقیق پر مبنی ہو یا عقل و فکر پر۔ مذہب اسلام کی ابتدا ہی پڑھنے کے حکم سے ہوئی، پہلی وحی میں ارشاد فرمایا گیا:

’’اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔‘‘(۲۸)

علم کی فضیلت اس آیت سے بھی واضح ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کو اضافہ علم کے لیے یہ دعا بتائی گئی ہے:

’’اے پیغمبر کہہ! اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر۔‘‘(۲۹)

علم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

’’علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔‘‘(۳۰)

لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حکم میں صرف دینی علم حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے، بلکہ بنیادی علم یعنی لکھنا پڑھنا جاننا بھی اس سے مراد ہے، جس کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا اور مدینہ میں بھی ایسے لوگ کم تھے اور آنحضرت ﷺ کو اس کمی کو پورا کرنے کا اتنا خیال تھا کہ بدر میں جو پڑھے لکھے قیدی تھے، ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ جیسے عالم نے اس موقع پر ہی لکھنا پڑھنا سیکھا تھا(۳۱)۔

اس میں سائنسی تعلیم بھی شامل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’اے نبیؐ! ان سے کہو کہ تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔‘‘(۳۲)

اس میں نظری تعلیم ہی نہیں، عملی اور فنون بھی شامل ہیں، چنانچہ آپؐ نے مدینہ میں نیزہ بازی اور تیراندازی کی مشقوں

کی تحسین فرمائی (۳۳)۔

جدید تعلیم کی اہمیت اور اس کے طریق کار کے بارے میں پروفیسر محمد نسیم خان لکھتے ہیں:

''سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے لیے ضروری ہے کہ انسانی وسائل کو ترقی دی جائے، انسانی وسائل کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کے شعبہ میں سرمایہ کاری کی جائے۔ تعلیم کے شعبہ میں سرمایہ کاری کا مطلب ہے کہ ہر مرحلۂ تعلیم پر زیادہ رقوم خرچ کی جائیں، تعلیم کے فروغ سے ایک طرف وہ افراد تیار ہونگے جو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں بہتر طور پر کام کرنے کے قابل ہونگے، تو دوسری طرف نئی ٹیکنالوجی کی دریافت اور ایجاد کا باعث بنیں گے، اس ضمن میں خصوصاً اعلیٰ تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، اعلیٰ تعلیم میں کیمیاء، فزکس، حیاتیات، ارضیات، فلکیات، کمپیوٹر ٹیکنالوجی وغیرہ کے شعبوں میں اگر زیادہ سرمایہ کاری کی جائے تو سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے۔ جاپان، امریکہ، برطانیہ، کینڈا، فرانس، روس، جرمنی، اٹلی وغیرہ میں ہر سال ہزاروں پی ایچ ڈی فارغ التحصیل ہو رہے ہیں، اسلامی ممالک مشترکہ کاوشوں کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کے ادارے قائم کریں اور تحقیق و تجسس کے لیے ضروری سہولیات مہیا کریں۔ عالم اسلام کے قابل ترین ذہنوں کو تحقیق و تجسس کی طرف راغب کرنے کے لیے تعلیمی وظائف دیں۔ اس کے علاوہ عالم اسلام کے وہ قابل سائنس دان جو مغربی ممالک میں کام کر رہے ہیں، انہیں ترغیبات دے کر عالم اسلام کے تعلیمی اور سائنسی اداروں میں واپس لائیں، نیز یہ کہ عالم اسلام میں دینی تعلیم دینے والے اداروں کے نصاب میں بھی دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی لائی جائے، ان اداروں میں سائنس و ٹیکنالوجی کے مضامین کو مقامی یا عربی زبان میں منتقل کر کے بھی پڑھایا جاسکتا ہے، عالمی سطح پر سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں ہونے والی پیش رفت سے آگاہ کرنے کے لیے ترجمہ و تالیف کے شعبوں اور لائبریریوں کا قیام بھی اشد ضروری ہے۔'' (۳۴)

اسی طرح اہل اسلام کی نامور شخصیت مولانا ابوالحسن علی ندوی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''عالم اسلامی کے لیے ضروری ہے کہ علم کی اس طرح تنظیم جدید کرے جو اس کی روح اور اس کے پیغام سے مطابقت رکھتی ہو۔۔۔ اگر عالم اسلامی کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اگر وہ عالم گیر لیڈر شپ حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خود مختاری ہی نہیں، بلکہ علمی لیڈر شپ بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان نہیں، یہ مسئلہ بہت گہرے غور و فکر کا محتاج ہے، اس کے لیے ضرورت ہے کہ وسیع پیمانہ پر تصنیف و تالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے۔ اس کام کے سربراہ کار عصری علم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق و تنقید کے درجہ تک پہنچتی ہو اور اس کے ساتھ اسلام کے اصل سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی روح سے ان کا قلب و نظر معمور

ہوں۔ یہ وہ مہم ہے جس کی تکمیل کسی جماعت یا انجمن کے لیے مشکل ہوگی، یہ اسلامی حکومتوں کا کام ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے منظّم جماعتیں اور مکمل ادارے قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرین فن کا انتخاب کرنا ہوگا جو ہر فن میں دستگاہ رکھتے ہوں۔ وہ ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جو ایک طرف کتاب وسنت کے محکمات اور دین کے ناقابل تردید حقائق پر مشتمل ہو اور دوسری طرف مفید عصری علوم اور تجزیہ وتحلیل پر حاوی ہو۔ وہ مسلمان نوجوانوں کے لیے علوم عصریہ کی ازسرنو تدوین کریں جو اسلام کے اصولوں اور اسلام کی روح کی بنیاد ہو، اس میں ہر ایسی چیز ہو جو نوخیز طبقہ کے لیے ضروری ہو اور جس سے وہ اپنی زندگی کی تنظیم کرسکے اور اپنی سالمیت کی حفاظت کرسکے، وہ مغرب سے مستغنی ہو اور مادی ودماغی جنگ میں اس کے مقابلہ میں آسکے۔'' (۳۵)

(۴) شعبہ صنعت وحرفت

اس شعبہ میں بھی عالم اسلام دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت پیچھے ہے، حالانکہ صنعت وحرفت اور فنون جنگ وغیرہ کے بارے میں نئے نئے طریقوں اور آلات حرب کی ایجاد اور ان کا استعمال خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے غزوہ طائف کے موقع پر آپؐ نے دو نئے آلات حرب استعمال فرمائے، جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے، ان میں سے ایک منجنیق تھی، جسے اس زمانے کی توپ کہنا چاہیے اور دو دبابے تھے، جنہیں اس دور کے ٹینک کہا جاسکتا ہے (۳۶)۔

عالم اسلام کے لیے صنعت وحرفت کے سلسلے میں جدید ٹیکنالوجی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''جب تک عالم اسلامی علم وسیاست اور صنعت وتجارت میں مغرب کا محتاج رہے گا، مغرب اس کا خون چوستا رہے گا، اسی کی زمین کا آب حیات نکالے گا، اس کا سامان تجارت اور مصنوعات ہر روز اس کی منڈیوں، بازاروں اور جیبوں پر چھاپہ مارا کریں گی اور اس کی ہر چیز پر ہاتھ صاف کرتی رہیں گی، جب تک عالم اسلامی مغرب سے قرض لیتا رہے گا اور اپنی حکومت کا انتظام کرنے، اہم اور کلیدی عہدوں کو پر کرنے، اپنی فوج کو ٹریننگ دینے کے لیے مغرب کے آدمیوں کا رہین منت رہے گا، وہاں کا سامان تجارت وصنعت منگائے گا اور اس کو اپنا اتالیق اور استاد، مربی اور سرپرست، حاکم اور سرادر سمجھے گا، اس کے حکم اور اس کی رائے کے بغیر کوئی کام نہیں کرے گا، اس وقت تک مغرب سے مقابلہ کرنا تو درکنار، اس سے آنکھیں بھی نہیں ملا سکتا۔'' (۳۷)

عالم عربی کو مشورہ دیتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

''عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت، حرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انہیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت ومحنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں، اپنی تمام ضروریات،

مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، مشینیں، آلات حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں۔اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لیے جنگ نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے۔جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدے پر دستخط کرتا ہے، وہ قلم بھی مغرب کا بنا ہوا ہے۔اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کو استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے۔۔۔عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم، درآمد و برآمد، قومی صنعت، فوج کی ٹریننگ اور مشینوں اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو، ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت، فنی مہارت، دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں۔" (۳۸)

(۵) شعبہ زراعت

عالم اسلام میں زراعتی پوٹینشل بھی کافی موجود ہے، لیکن ناقص منصوبہ بندی اور ضروری ٹیکنالوجی کی عدم موجودگی کی وجہ سے خوراک کے معاملہ میں بھی ہم دوسروں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں اور اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کو خوراک مہیا کرنے کے لیے ان کی ہر طرح کی شرائط تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں، پاکستان کی موجودہ صورتحال کو سامنے رکھنا چاہیے، بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے قرضے حاصل کرنے کے لیے کڑی سے کڑی شرائط بے چون و چرا تسلیم کی جارہی ہیں، زراعت کی ترقی اگر ایک طرف اس لیے ضروری ہے کہ اس سے بڑھتی ہوئی آبادی کو اپنے وسائل سے خوراک مہیا ہوگی تو دوسری طرف روزگار کے مواقع پیدا ہونگے۔ زراعت خود ذریعہ روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ زرعی خام مال سے چلنے والی صنعتوں میں بھی روزگار مہیا کرے گی، نیز زراعتی فاضل پیداوار زر مبادلہ کمانے کا بھی ایک اہم ذریعہ ثابت ہوسکتی ہے۔

زراعت کی ترقی کے جدید طریقوں کا ثبوت احادیث نبوی ﷺ سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے اہل مدینہ کو زیادہ سے زیادہ کاشت کرنے کا حکم دیا اور پیداوار بڑھانے کے لیے یہ تدبیر بتائی کہ کھیتوں میں نوک دار ہل کثرت سے استعمال کیا کریں (۳۹)۔

نیز زراعت اور معدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لیے آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

"زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں رزق تلاش کرو۔" (۴۰)

(۶) الیکٹرانک میڈیا

عصر حاضر میں ابلاغ اور مواصلاتی رابطوں میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ٹی وی وغیرہ ایک طاقتور کردار ادا کررہے ہیں۔ مسلمانوں اور مغرب کے درمیان نظریاتی اور تہذیبی کشمکش میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انٹرنیٹ اور ٹی وی مسلسل

استعمال ہونے والے سب سے زیادہ مؤثر اور خوفناک ہتھیار ہیں۔ان کے ذریعے اسلام کے عقائد و احکام کے خلاف نفرت انگیز مہم روز بروز وسیع ہوتی جارہی ہے اور مسلمانوں بالخصوص دینی حلقوں کی کردار کشی کی جارہی ہے۔ظاہر بات ہے ہتھیار کا جواب ہتھیار ہی سے دیا جاسکتا ہے اور جنگ کا مسلمہ اصول ہے کہ دشمن کے پاس جو ہتھیار موجود ہوں، اس سے زیادہ مؤثر ہتھیار حاصل کرنا یا کم از کم اس درجہ کا ہتھیار مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ مقابلہ مشکل ہوجاتا ہے۔لہٰذا، الیکٹرانک میڈیا میں جدید طریقوں کا حصول ایک اجتماعی ضرورت ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جہاں اجتماعی ضروریات کی بات ہو خاص طور پر حالت جنگ کا مرحلہ ہو تو ضروریات کا ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جہاں فقہائے کرام **الضروریات تبیح المحظورات** کے اصول کے تحت جواز و عدم جواز سے چشم پوشی کرلیتے ہیں۔اس کی ایک واضح مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ اسلام نے جہاد و قتال اور جنگ کے جو اصول وضوابط اور احکام وضع کیے ہیں اور جناب نبی اکرم ﷺ نے اس سلسلے میں جو واضح ہدایات دی ہیں، ان کی رو سے ایٹم اور ہائیڈروجن بم کا کوئی جواز نہیں بنتا اور بلاتفریق پوری آبادی کو تہس نہس کردینے والے یہ ہتھیار اسلام کے اصول جنگ سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتے۔لیکن چونکہ یہ ہتھیار دشمن کے پاس موجود ہیں اور ان سے بچاؤ کے لیے ہمارے پاس بھی اس قسم کے ہتھیاروں کی موجودگی ضروری ہے، اس لیے پوری دنیائے اسلام میں جواز اور عدم جواز کی بحث میں پڑے بغیر جوہری قوت کو بطور ہتھیار اختیار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور کہیں سے یہ آواز نہیں اٹھائی گئی کہ چونکہ ایٹمی ہتھیار اسلام کے اصول جنگ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات کے معیار پر پورے نہیں اترتے، اس لیے ان کے حصول کی کوشش ترک کردی جائے، بلکہ دینی حلقے عالم اسلام اور مسلم ممالک پر جوہری قوت بننے کے لیے زیادہ زور دے رہے ہیں۔اسی طرح اگر ٹی وی اسکرین (اور دیگر الیکٹرانک میڈیا) کو بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ اور سب سے مؤثر طور پر استعمال ہونے والا ایک ہتھیار سمجھ لیا جائے، تو میرے خیال میں جواز اور عدم جواز کی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، کیونکہ آج کے دور میں فقہائے کرام کے مسلمہ اصول **الضروریات تبیح المحظورات** کے اطلاق کا اس سے زیادہ صحیح محل اور مصداق شاید اور کوئی معاملہ ہو(۴۱)۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ غیر مسلم ممالک سے استفادہ

جو قومیں علوم وفنون اور معاشرتی اور سیاسی تنظیم میں ہم سے بہت آگے نکل گئی ہیں، ہمیں ان سے بے دریغ سیکھنا چاہیے یا نہیں؟ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ روح اسلامی یہ ہے کہ فراخ دلی سے ہر ایک سے اور ہر جگہ سے افکار و اعمال کے اچھے نمونے جمع اور اخذ کیے جائیں، خواہ وہ اپنی قوم کے افراد میں ملیں اور خواہ دیگر قوم کے افراد میں، کیونکہ زندگی کی صداقتیں اور اس کی خوبیاں کسی ایک قوم کا اجارہ نہیں، جیسا اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''حکمت مؤمن کی گمشدہ متاع ہے، وہ جہاں بھی اسے پاتا ہے، اختیار کرلیتا ہے۔''(۴۲)

جنگ خندق کے موقع پر رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کے دفاع کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو ایک عجمی صحابی حضرت سلمان فارسیؓ نے یہ تجویز عرض کی کہ ایرانی ایسے مواقع پر اپنے گرد خندق کھود لیتے ہیں کہ دشمن کی رسائی ان تک نہ ہو سکے، یہی صورت یہاں بھی اختیار کی جائے۔ مشورہ کو شرف قبولیت حاصل ہوا(۴۳) اوراس کارعظیم کی انجام دہی شروع ہوئی۔اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں:

''اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی شریعت جتنا اس چیز کو ناپسند کرتی ہے کہ مسلمان بغیر سمجھے بوجھے دوسروں کی پیروی اور تقلید کریں، اتنا ہی وہ یہ جانتی ہے کہ مسلمانوں کو جہاں بھی کوئی چیز نظر آئے اور جہاں بھی وہ اسے پائیں اختیار کرلیں اور تمام مفید اصولوں کو اپنا لیں۔اس سلسلے میں عام اسلامی قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے طرز عمل اور عام احوال و معاملات میں اپنی آزاد عقل اور دقیق فکر کو معطل نہ کرے۔اس صورت میں وہ نہ اپنی نکیل دوسروں کے ہاتھ میں تھما سکتا ہے کہ وہ اس کو بغیر کسی شعور اور بصیرت کے جہاں چاہیں لے جائیں اور نہ کسی ایسے اصول عمل یا نظام کو نظر انداز کرسکتا ہے جس کے ذریعے اس کی روشن عقل اور آزاد فکر محفوظ رہے اور جو شریعت اسلامی کے اصولوں سے ہم آہنگ ہو۔''(۴۴)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار کے طریقہ جنگ کو اختیار کرنا درست ہے اور علیٰ ہذا کفّار کے ایجاد کردہ آلات حرب کا استعمال بھی درست ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محاصرہ تستر میں ابوموسیٰ اشعریؓ کو منجنیق قائم کرنے کا حکم دیا اور عمرو بن العاصؓ نے جب اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو منجنیق کا استعمال کیا اور علیٰ ہذا زہر آلود تیر کا استعمال بھی درست ہے۔معلوم ہوا کہ ان تمام چیزوں کا سیکھنا ضروری ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن مرعوب اور اللہ کے دین کی عزت اور شوکت قائم ہو۔کتاب وسنت اور شریعت، کسی صنعتی اور حرفتی ترقی کا منع نہیں کرتی، بلکہ ہر اس صنعت اور حرفت کو جس سے ملک کو ترقی ہو، فرض علی الکفایہ قرار دیتی ہے۔جیسا کہ تمام فقہاء کرام کا اجماع ہے، البتہ شریعت اسلامیہ یورپ کی بے حیائی اور بے شرمی اور شہوانی اور نفسانی تہذیب کی شدید مخالف ہے، اس لیے کہ شہوانی اور نفسانی امور میں آزادی اخلاق اور معاشرہ کو تباہ اور برباد کرتی ہے جو ملکی تنزّلی کا باعث ہے۔''(۴۵)

ابوالحسن علی ندوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''مغرب سے علم وصنعت، ٹیکنالوجی اور سائنس اور ان علوم وتحقیقات میں جن کا تعلق تجربہ، حقائق وواقعات اور انسانی محنت وکاوش سے ہے، فراخ دلی کے ساتھ استفادہ کیا جائے، پھر ان کو ان مقاصد کے لیے اپنی خداداد ذہانت اور اجتہاد کے ساتھ ان اعلیٰ مقاصد کا تابع اور خادم بنایا جائے، جو آخری صحیفہ نے ان کو عطا کیے اور جن

کی وجہ سے ان کو خیر امت اور آخری امت کا لقب ملا ہے۔" (۴۶)

اس سلسلے میں ممتاز نومسلم اسکالر علامہ محمد اسد لکھتے ہیں:

"علم مغربی ہے نہ مشرقی، علمی انکشافات وتحقیقات ایک ایسے سلسلے کی کڑی ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں اور جس میں تمام بنی نوع انسان برابر کے شریک ہیں۔ ہر عالم اور سائنٹسٹ ان ہی بنیادوں پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھتا ہے جو اس کے پیش روؤں نے قائم کی تھیں، خواہ وہ اس کی قوم سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی اور قوم سے، اسی طرح ایک انسان سے دوسرے انسان، ایک نسل سے دوسری نسل، ایک تہذیب سے دوسری تہذیب تک تعمیر واصلاح وترقی کا کام برابر جاری رہتا ہے۔ اس لیے اگر کسی خاص زمانہ یا خاص تمدن میں یہ کام انجام پائیں، تو یہ قطعاً نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس زمانہ یا اس تہذیب کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی اور زمانہ میں کوئی دوسری قوم جو زیادہ باہمت اور حوصلہ مند ہو، میدان علم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، لیکن بہر حال سب اس کام میں برابر کے حصہ دار ہیں۔" (۴۷)

وہ مزید لکھتے ہیں:

"یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ سائنسی تحقیق سے طویل عرصہ کی بیگانگی اور لاپروائی نے ہمیں مغربی ذرائع کا محتاج بنا دیا ہے، اگر ہم نے وہ بنیادی اسلامی اصول اپنایا ہوتا جس کے مطابق ہر مسلمان پر علم کا حصول فرض ہے تو ہم جدید سائنس کے لیے آج یورپ کی طرف یوں نہ دیکھ رہے ہوتے جیسے کوئی سراب کی طرف دیکھتا ہو، مگر چونکہ مسلمانوں نے طویل عرصہ تک ترقی وتحقیق کے مواقع کو ضائع کیا ہے، تو آج وہ جہالت وغربت کے غار میں گھرے ہوئے ہیں۔ جبکہ یورپ نے آگے کی سمت ایک بڑی جست لگالی ہے۔ اس فرق کو مٹانے میں بڑا وقت لگے گا اور اس وقت تک ہمیں مجبوراً علم کو ان کے توسط سے قبول کرنا پڑے گا۔ مگر ہمیں صرف سائنسی مواد پر ہی قناعت کرنی چاہیے، دوسرے لفظوں میں ہمیں سائنس کو مغربی خطوط پر پڑھنے میں کوئی عار نہیں، مگر ان کا فلسفہ کبھی بھی قابل قبول نہیں۔" (۴۸)

ہماری ترجیحات

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگرچہ اسلام نے مسلمانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی سے نہیں روکا ہے، لیکن یہ امر بھی واضح ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی ایک وسیلہ ہے، منزل مقصود نہیں۔ سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی حقیقی نہیں بلکہ مادی ترقی ہے۔ اہل اسلام کا منزل ومقصود اسلام ہونا چاہیے اور اسے دائمی اور حقیقی ترقی کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ اس لیے قرآن نے مقاصد میں جس کا عنوان خیرات ومبرات رکھا ہے، ترقی کرنا ضروری

اور واجب قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''ہر قوم کے لیے ایک قبلہ مقصود ہے، جس کی طرف وہ رخ کرتی ہے، سوتم ایک دوسرے سے بھلائیوں میں سبقت کرو۔''(۴۹)

دوسری جگہ نعیم آخرت کا ذکر فرما کر جو تمام خیرات ومبرّات کا مقصود اصلی ہے، ارشاد فرمایا ہے:

''اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز کی حرص کرنی چاہیے۔''(۵۰)

پس ایک جگہ سبقت باہمی اور ایک جگہ حرص باہمی کے عنوان سے مسلمانوں کو ترقی کے لیے ابھارا گیا اور مامور کیا گیا ہے، لیکن یہ ترقی اسی میدان کی ہے جس کی فطرتاً ہونی چاہیے، یعنی مقاصد کی، کیونکہ وسائل میں ترقی حقیقی اور فطری ترقی نہیں۔ اس اصولی حقیقت کے پیش نظر اب آپ اپنا جائزہ لیجیے کہ آپ نے کس طرح اس موضوع کو الٹ دیا ہے، مقصود کو وسیلہ اور وسیلہ کو مقصود، بادشاہ کو غلام اور غلام کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ اسلام کو تابع محض اور رسمی واسمی کر ڈالا ہے اور سائنس کو مقصود حقیقی اور مطلقب اصلی قرار دے دیا ہے۔ پھر ساتھ ہی اس کے انجام بد کو بھی پیش نظر رکھیے کہ ان حالات میں یہ مادہ کا حریص غلام آپ کو حرمان وخسران کے کس گھڑے میں لے جا کر گرائے گا، جیسا کہ اب تک اقوام کو گراتا آیا ہے۔ اللہ کے نذیر مبین ﷺ نے اس خالص نمائشی کروفر اور مادیات کی اس چمک ودمک پر جس کا نام شریعت کی اصطلاح میں زینت اور زہرہ ہے، خوف کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

''خدا کی قسم! مجھے اپنے بعد تم پر فقر وفاقہ پڑ جانے سے کوئی خوف نہیں، خوف ہے تو اس کا کہ میرے بعد تم پر دنیا کی چمک دمک کھلے گی اور تمہیں اس طرح مار ڈالے گی جس طرح اس نے تم سے پہلے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔''(۵۱)

خلاصہ یہ کہ سائنس کا درجہ وسیلہ کی حد سے آگے نہیں بڑھتا کہ اس کا معمول اصلی مادہ ہے اور مادہ روح کے لیے محض وسیلہ ہے اور اسلام کا درجہ مقصودیت سے ۔گر نہیں سکتا کہ اس کا معمول اصلی روح ہے اور روح مادہ کے لیے اصل مقصود ہے۔ اس سے ''سائنس اور اسلام'' کی باہمی نسبت بھی واضح ہوگئی کہ ان میں وسیلہ ومقصود کی نسبت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تک سائنس کے کارنامے مذہب کے لیے خادم اور ذریعہ تحصیل نہ بنیں گے، ان کا انجام خوش کن نہ ہوگا اور اسی کے ساتھ بطور ثمرہ یہ مقصد بھی حل ہوگیا کہ جب اسلام مقصود ہے اور سائنس اس کا وسیلہ تو اسلام کا مقصودیت کا تقاضا یہ ہے کہ ترقی کا میدان اسلام کو بنایا جائے نہ کہ سائنس کو، کہ ترقی ہمیشہ مقاصد میں کی جاتی ہے نہ کہ ذرائع اور وسائل میں۔ یعنی سائنس کے معمولات اسی حد تک اختیار کیے جائیں جس حد تک اسلام کو ان کی ضرورت ہے(۵۲)۔

مراجع وحواشی

(۱) انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، مقالہ سائنس، ۱۹۷۰ء، ۲۰:۶، ۷۔

(۲) صدیق، محمد زاہد، ''سائنسی علمیت اور اسلام'' بحوالہ ماہنامہ ''البرہان'' (مئی ۲۰۱۲ء)، لاہور، ۱۶ (۵)، ص ۵۲

(۳) البقرہ ۲: ۳۱

(۴) آلوسی، شہاب الدین، سید محمود البغدادی (۱۴۰۵ھ) تفسیر روح المعانی فی التفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج ۱، بیروت: احیاء التراث العربی، ص ۲۲۴

(۵) البیضاوی، ناصر الدین، عبداللہ بن محمد الشیرازی (۱۲۸۲ھ)، انوار التنزیل واسرار التاویل، ج ۱، مطبع لکھنوی، ص ۴۵، ۴۶

(۶) البقرہ ۲: ۲۰۱ (۷) الانفال ۸: ۶۰

(۸) الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ

(۹) ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ص ۲۰۰، ۲۰۱

(۱۰) ایضاً ص ۲۱۲

(۱۱) ابن کثیر، ابی الفداء اسماعیل، البدایہ والنہایہ، ج ۴، مصر: مطبعۃ السعادہ، ص ۳۴۸

(۱۲) ان ہتھیاروں کی تفصیل کے لیے دیکھئے: ٹائمز اخبار، بحوالہ، ماہنامہ الحق، ستمبر (۲۰۰۶ء)، ۴۱ (۱۲)، ص ۲۶، ۲۷

(۱۳) الانفال ۸: ۶۰

(۱۴) رازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، ج ۴، دائرۃ العامرۃ، ص ۵۵۹

(۱۵) شیخ احمد ملاجیون، التفسیرات الاحمدیہ، پشاور: مکتبۃ حقانیہ، ص ۴۴۱

(۱۶) عثمانی، شبیر احمد (۱۹۸۹ء)، فوائد القرآن (تفسیر عثمانی)، مدینہ منورہ، ص ۲۴۴

(۱۷) کاندھلوی، محمد ادریس (۱۹۸۲ء)، معارف القرآن، ج ۳، لاہور: مکتبہ عثمانیہ، ص ۲۵۵

(۱۸) ندوی، شہاب الدین (۱۹۸۳ء)، اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ص ۳۶۴، ۳۶۵

(۱۹) مسلم، ابی الحسن، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ وذم من علمہ ثم نسیہ

(۲۰) جصاص، ابی بکر احمد بن علی الرازی (۱۹۹۱ء)، احکام القرآن، ج ۳، لاہور: سہیل اکیڈمی، ص ۶۸

(۲۱) النسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، السنن، کتاب الخیل والسبق والرمی، باب تادیب الرجل فرسہ

(۲۲) صولت ثروت (۱۹۸۱ء)، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، ج ۲، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ص ۵۳۳

(۲۳) لقمان ۳۱: ۲۰

(۲۴) دریا آبادی، عبدالماجد (۱۹۵۲ء)، تفسیر ماجدی، کراچی: تاج کمپنی، ص ۸۳۰

(۲۵) زمخشری، محمود بن عمر جاراللہ (۱۳۵۴ھ)، الکشاف عن وجوہ التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل، ج ۳، مصر: مکتبۃ التجاریۃ، ص ۲۱۴

(۲۶) ندوی، شہاب الدین، بحوالہ بالا، ص ۱۳۲، ۱۳۳

(۲۷) خان، محمد نسیم، اکیسویں صدی کے چیلینجز اور اسلام، بحوالہ ماہنامہ الحق (اشاعت خصوصی)، ۳۶، ۳۷ (۱، ۲)، ص ۲۵۳

(۲۸) العلق ۹۶: ۱ (۲۹) طٰہٰ ۲۰: ۱۱۴

(۳۰) ابن ماجہ، ابی عبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، المقدمہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم

(۳۱) ابن سعد،محمد بن عبداللہ (۱۹۸۵ء)، الطبقات الکبریٰ، ج۲ ،دار احیاء التراث العربی ،ص۲۲

(۳۲) العنکبوت۲۹: ۲۰

(۳۳) بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح ، کتاب الجہاد، باب التحریص علی الرمی

(۳۴) ایضاً ص،۲۵۵، ۲۵۶ (۳۵) ندوی، ابوالحسن علی، بحوالہ بالا ص۳۸۳، ۳۸۴

(۳۶) ابن کثیر، بحوالہ بالا (۳۷) ایضاً ص۳۸۰، ۳۸۱ (۳۸) ایضاً ص۳۹۲، ۳۹۳

(۳۹) الھندی، علاؤالدین علی المتقی ، کنزالعمال فی سنن القوال والا فعال، انواع الکسب ، کتاب البیوع ،۴ :۳۱ ،حدیث نمبر۹۳۴۹

(۴۰) ایضاً:۴ :۳۱،حدیث نمبر،۹۳۰۲

(۴۱) الراشدی، زاہد(۲۰۰۸ء)، دینی مقاصد کے لیے جدید الیکٹرانک میڈیا کا استعمال، بحوالہ اسلام اور سائنس، تصادم یا توثیق، ص۲۳۶ ،۲۳۷

(۴۲) السنن للترمذی، کتاب العلم باب ماجآء فی فضل الفقہ علی العبادۃ

(۴۳) ابن سعد، محمد بن عبداللہ البصری، الطبقات الکبریٰ،۲: ۶۶

(۴۴) البوطی، محمد سعید رمضان (۱۹۹۶ء)، فقہ السیرۃ النبویۃ، بیروت: دارالفکر، ص۲۱۸

(۴۵) کاندھلوی، محمد ادریس (۱۹۸۵ء)، سیرۃ المصطفیٰ، ج۲، لاھور: مکتبہ عثمانیہ، ص۳۱۳، ۳۱۴

(۴۶) ندوی، ابوالحسن علی(۱۹۸۱ء)، اسلامی مما لک میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ص۳۱۱، ۳۱۲

(۴۷) محمد اسد، علامہ، طوفان سے ساحل تک، ترجمہ Road to Mecca، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ص۱۷۳، ۱۷۴

(۴۸) محمد اسد، علامہ(۱۹۹۷ء)، اسلام اور مسلمان دوراہے پر، اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، ص۴۶

(۴۹) البقرہ۲: ۱۴۸ (۵۰) المطففین ۸۳: ۲۶

(۵۱) الخطیب، محمد بن عبداللہ، المشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، الفصل الاول

(۵۲) محمد طیب، قاری(۲۰۰۸ء)، سائنس اور اسلام بحوالہ اسلام اور سائنس، تصادم یا توثیق، مانسہرہ: سوسائٹی فار انٹریکشن آف ریلیجن، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، ص۲۱۸۔۲۲۶